عہدِ نبوی میں سفارتی تنظیم

محمد یوسف فاروقی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مختلف قوموں اور مملکتوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دو طرفہ معاہدات کے لیے قدیم زمانہ سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ بحالتِ امن میں معاشرتی اور تجارتی معاملات اس ادارہ کے ذریعے طے ہوتے تھے۔ اور بحالتِ جنگ میں دشمن کے خلاف جنگی مدد حاصل کرنے اور حلیف بنانے کے لیے سفارتی روابط قائم کیے جاتے تھے۔ قرونِ اُولیٰ میں یہ ادارہ اس قدر منظم اور ترقی یافتہ نہ تھا جتنا کہ آج نظر آتا ہے اور نہ ہی سفارت خانوں کے مستقل دفاتر مختلف ممالک میں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود سیاسی طور پر اس ادارہ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب قوموں اور مملکتوں کے درمیان سفارتی رابطہ کی ضرورت پیش آتی تو ایسے فرد کو سفارتی ذمہ داریاں دے کر بھیجا جاتا جو ذہین و سمجھدار ہو، اپنی بات کو مؤثر انداز میں پیش کر سکتا ہو، زیر غور مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اسلام سے پہلے عربوں کی سفارتی سرگرمیاں جنگ بعاث میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابوالحیس کی سربراہی میں قریشِ مکہ کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی شریک تھے۔ قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لیے قائم کیا تھا کہ قریشِ مکہ کو اپنا حلیف بنا لیں، تاکہ جنگ میں ان سے خزرج کے خلاف مدد حاصل کر سکیں [1]۔ مکہ کی شہری مملکت میں سفارت کا ادارہ

[1] شبلی، سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۶۱

خاندانِ عدی کے پاس تھا اور بعثت کے وقت حضرت عمرؓ اس عہدہ پر فائز تھے[۱]۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو قریشِ مکہ نے علمائے یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ علمائے یہود سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کے پیغامِ توحید کے بارے میں ——— مشورہ کریں۔ یہ بھی معلوم کریں کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب میں بھی کسی آنے والے نبی کا تذکرہ ہے؟ اور یہ کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، کیا واقعی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہے[۲]؟

مکی دور میں مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بعض مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کر لی تھی، اہلِ مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذرائع سے نجاشی پر دباؤ ڈالا جائے اور اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو اُن کے حوالے کر دے یا کم از کم اپنی ریاست سے انہیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریشِ مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیئے۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے نمائندگی کی اور قریش کے سفرا کے اعتراضات کے جوابات دیئے[۳]۔

اسلام کے بعد سفارتی رابطوں کی تنظیم نو

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سفارتی رابطہ اس وقت قائم کیا جاتا تھا جب دو مملکتوں یا قوموں کے درمیان سیاسی یا دفاعی معاہدات طے کرنا ہوں یا کوئی اہم معاشرتی اُلجھن پیدا ہو گئی ہو، بعض اوقات محض سیاسی تعلقات پیدا کرنے کے لیے بھی رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو از سرِ نو منظم کیا۔

---

[۱] شبلی سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۱۲ [۲] الروض الانف جلد ۱ ص ۱۹۔

[۳] شبلی سیرۃ النبی جلد ص ۲۳۷۔ مولانا ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ جلد ۱ ص ۲۱۳۔

[۴] حضرت جعفر طیارؓ نے بہت مؤثر اور مدلل انداز میں جوابات دیے۔ اُن کی گفتگو نے شاہ حبشہ کو اس حد تک متاثر کیا کہ اُس نے قریشِ مکہ کے سفیروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ان بے خانماں مہاجرین کے مقابلہ میں قریشِ مکہ کے سفیروں کی اس طرح ناکامی مسلمان مہاجرین کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

اسے زیادہ فعّال بنایا اور اس کے فرائض میں سب سے اہم ذمہ داری دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کے کام کو قرار دیا۔

اسلام ایک آفاقی دین تھا جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح و سعادت کے لیے ایک جامع نظامِ حیات پیش کیا۔ اس نظام میں دعوتِ دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی مملکت کا نصب العین ہے اور خارجہ تعلقات کا ادارہ بھی مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفراء کے فرائض میں دعوتِ دین کے فریضہ کو ہر چیز پر فوقیت دی ہے۔

اسلامی مملکت بنیادی طور پر ایک نظریاتی مملکت ہوتی ہے۔ نظریہ کی اشاعت اور دُنیا بھر میں شہادتِ حق اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد مملکت کے سفراء پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی میں سفیروں کے انتخاب اور اُن کے تقرر کے موقع پر اس عظیم الشان مقصد کو پیشِ نظر رکھا جاتا تھا۔

سفراء بیرونی ممالک میں نہ صرف یہ کہ اپنی مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں بلکہ پوری قوم کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے انتخابات میں بہت سی خصوصیات کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن افراد کو یہ منصب عنایت فرماتے تھے، اُن میں بہت سی خصوصیات ملحوظ رکھتے تھے، مثلاً اپنے دین (نظریہ) کا وسیع علم رکھتے ہوں، علمی اعتبار سے بہت مضبوط ہوں اس لیے کہ عملِ اشاعتِ دین کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ملکہ حاصل ہو تاکہ اپنی بات مؤثر و مدلل انداز میں پیش کر سکیں۔ لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہوں وہاں کے حالات سے واقف ہوں اور اُس ملک و قوم کی زبان جانتے ہوں۔

سفراء کی خصوصیات

محمد عجاج الخطیب نے المصباح المضیئی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

وفی السنة السادسة کثرت بعوثه صلی الله علیه وسلم فقد وجه بعد صلح الحدیبیة رسله الی الملوک یحملون کتبه، ففی یوم واحد انطلق ستة نفر الی جهات مختلفة یتکلم کل واحد منهم بلسان القوم الذین بعث الیهم۔

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی وفود کثرت سے روانہ ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے پاس خطوط دے کر اپنے سفیروں کو روانہ کیا، ایک روز چھ وفود مختلف حکمرانوں کے پاس روانہ ہوئے۔ ان میں سے ہر فرد اس قوم کی زبان جانتا تھا جس قوم میں اسے بھیجا گیا تھا۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفیروں کے لیے زبان دانی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

(ابراھیم - ۴)

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان پر (اللہ تعالیٰ کے احکام) اچھی طرح واضح کر دے"[۲]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افراد جو قوموں اور مملکتوں کے حالات و زبان سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اچھی طرح دین و مملکت کے مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ یہودیوں کے مذاکرات اور سفارتی سرگرمیوں میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔[۳]

سفراء کی خصوصیات کے بارے میں علامہ عبدالحی کتانی نے اپنی مشہور کتاب التراتیب الاداریہ میں ایک اور صفت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سفرا پرکشش اور باوقار شخصیت کے مالک ہوں۔ اس دور کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمران قیصر روم کے پاس حضرت دحیہ کلبیؓ تشریف لے گئے تھے جو تمام سفرا میں سب سے زیادہ صاحب وجاہت اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔[۴] اسی طرح حضرت مصعب بن عمیرؓ

---

[۱] محمد عجاج الخطیب السنۃ قبل التدوین ص ۱۷ بحوالہ المصباح المضی ص ۴۰ (از محمد بن علی الانصاری) مخطوطہ مکتبہ الاوقاف، حلب۔

[۲] ابراہیم - ۴ [۳] - شبلی، سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۹۴

[۴] عبدالحی کتانی، التراتیب الاداریہ جلد ۱ ص ۱۹۰

جنہیں مدینہ کے قبائل میں بھیجا گیا تھا - بہت پُرکشش و پُر رونق شخصیت کے مالک تھے۔[1]

مدینہ میں پہلا سفیرِ اسلام

تحریکِ اسلامی کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں اور مملکتوں کے سربراہوں کے پاس اپنے نمائندے نہیں بھیجے بلکہ عام لوگوں سے براہِ راست رابطہ رکھا اور بوقت ضرورت اپنے نمائندے بھی قبیلوں کے لوگوں میں روانہ فرمائے۔ یہ نمائندے قبیلوں کے عام لوگوں میں جاتے اور انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرتے اور دین کی دعوت پیش کرتے تھے۔

اسلام کی سیاسی تاریخ میں بیعتِ عقبہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ بیعت دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ بیعت نبوت کے گیارھویں سال ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی شعاعیں سرزمینِ مدینہ میں پھیلنے لگیں۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر قبائل اوس و خزرج میں روانہ فرمایا تاکہ وہ ان قبائل میں خاص طور پر اور اہلِ مدینہ میں عام طور پر دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کا فریضہ انجام دیں اور جو لوگ دینِ اسلام کو قبول کرلیں ان کی تربیت اور تزکیہ نفس کا کام کریں تاکہ تقویٰ اور مکارمِ اخلاق کی بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کے مہذب اور صالح معاشرہ کی تشکیل کرسکیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا اندازِ گفتگو بہت سنجیدہ و شگفتہ ہوتا تھا، وہ اپنی گفتگو کا آغاز بڑی ملاطفت کے ساتھ کرتے اور مؤثر انداز میں مضبوط دلائل کے ساتھ مخاطب کو قائل کرتے تھے۔ مخاطب کی طبیعت و مزاج کو سمجھتے ہوئے بات کرتے تھے، وہ جب بھی کسی کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو کم ہی لوگوں کو انکار کی گنجائش ہوتی تھی۔ ورنہ عام طور پر لوگ اسلام قبول کرکے دعوتِ دین کی تحریک میں ان کے شریکِ کار بن جاتے تھے۔ عام لوگوں میں دعوتِ دین کا کام کرنا اور انہیں اپنے نظم میں منسلک کرلینا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا ان افراد کو شامل کرنا دشوار ہوتا ہے جو سیاسی قیادت رکھتے ہوں یا اقتدار و ثروت کے مالک ہوں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اوس و خزرج کے ان سرداروں کو بھی جو مکمل قیادت و اختیارات کے مالک تھے، دائرہ اسلام میں داخل کرلیا۔ اوس و خزرج کے سرداروں کے قبولِ اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد مدینہ منورہ کے ان دو عظیم قبائل

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، قسم اول، جلد ۳ ص ۸۲

کی بھاری اکثریت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔

اسلامی مملکت کے قیام کے بعد مدنی دَور میں جب باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ کو خاص طور پر منظم کیا۔ دینِ اسلام کی اشاعت، امن و سلامتی کے قیام اور انسانیت کی فلاح و سعادت کے لیے اپنے سفراء کے ذریعے اُس وقت کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمرانوں، نیم خود مختار ریاستوں کے امراء اور قبائل کے سرداروں کے ساتھ سفارتی رابطے قائم کیے۔ اور انہیں دین کے پیغام اور اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ ان سفراء نے ان پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اُن کی اور ساری انسانیت کی سلامتی کا راستہ صرف دینِ اسلام کی اتباع میں ہے[1]

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء گئے۔ اُن میں سب سے زیادہ اہم حکمران رُوم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضؓ سفیر بن کر گئے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ یہ اُس دَور کی بات ہے جب رُوم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو چکی تھی، اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رُوم اُس دَور کی سب سے بڑی طاقت ور سلطنت تھی۔

حضرت دحیہ کلبیؓ اور قیصر رُوم حضرت دحیہ کلبیؓ جب قیصر کے دربار میں پہنچے تو اُس نے اُن کا اعزاز و احترام کیا۔ رسول اللہ کا خط پڑھا اور بہت سے ضروری سوالات کیے۔ قیصر رُوم نے رسول اللہ کے پیغام کے بارے میں صرف آپ کے سفیر ہی سے گفتگو نہیں کی بلکہ عرب کی سرزمین سے تجارت کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کو بھی بُلا بھیجا تاکہ اُن سے بھی معلومات حاصل کی جا سکیں۔ ابوسفیان اُن دنوں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ آئے ہوئے تھے ـــــ اور غزہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، قیصر نے انہیں بُلا کر اُن سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کے بارے میں سوالات کیے، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، قیصر نے مزید تصدیق کے لیے اپنی سلطنت کے بڑے عالم ضغاطر رُومی سے آخری نبی کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اُس رُومی عالم نے

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے ابن جریر طبری ۲ ؁ھ کے واقعات کے تحت محمد رضا مصری، محمد رسول اللہ ص ۲۲۴ تا ۲۷۴۔

رسول اللہ کی رسالت کی تصدیق کی تھی[۱] ان واقعات کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قیصر روم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن شاہ روم کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ رسول اللہ کی دعوت کو قبول کرے یا اپنی وسیع و عریض سلطنت پر اپنا اقتدار برقرار رکھے اور اپنی رعایا کو خوش رکھے۔ شاید سیاسی مصلحتیں اور کچھ مادی منافع رکاوٹ بن گئی تھیں[۲]۔ وہ دنیا کی بڑی طاقت ہونے کا بھرم بھی باقی رکھنا چاہتا تھا۔ قیصر روم نے آپ کے سفیر کے سامنے رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ اور آپ کے سفیر کو اعزاز و احترام کے ساتھ واپس روانہ کیا[۳]۔

حضرت دحیہ کلبی رض کے لیے یہ بڑی کامیابی تھی کہ ایک عظیم الشان سلطنت کا حکمران نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے، بلکہ اس کے دل و دماغ پر رسالت مآب کی عظمت کا رعب چھا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۹ھ میں تبوک کے مقام پر قیصر کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ اور مجاہدین کے مقابلے کے لیے نکلتا۔ ہمارے خیال میں غزوۂ تبوک کی کامیابی میں حضرت دحیہ کلبی کی کامیاب سفارت کا بھی بہت کچھ حصہ تھا۔

حکومتِ فارس کی طرف سفارت

فارس اس وقت کی دوسری بڑی طاقت تھی۔ بہت بڑے حصہ پر کسریٰ کا راج تھا۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے ممالک سلطنت فارس کے باج گذار تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو شہنشاہ ایران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ یہ غالباً اسی زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں حضرت دحیہ کلبی رض کو شاہ روم کے پاس بھیجا تھا۔ کسریٰ جیسے اپنی قوت و بادشاہت کا بڑا گھمنڈ تھا، یہ بات ناقابل برداشت ہوئی کہ اتنی سلطنت کے شہنشاہ کو

---

[۱] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری جلد ۱ ص ۳۸

[۲] السیرۃ الحلبیہ میں قیصر روم کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ "اِن فعلتُ ذھبَ مُلکی وقتلنی الروم" اگر میں آپ کی بات مان لوں تو میری حکومت ختم ہو جائے اور روم کے لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ شاید قیصر روم نے رسول اللہ کے ان الفاظ پر غور نہیں کیا تھا۔ "اسلم تسلم" اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے۔

[۳] الطبری جلد ۳ ص ۸۸۷، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۲۶۲ تا ۲۶۸

جزیرۃ العرب کی معمولی مملکت کا ایک فرد اُسے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت پیش کرے، اور یہ بات کہے کہ اسلام قبول کر لو اسی میں سلامتی ہے۔ کسریٰ نے خط اور اُس کا انداز دیکھ کر سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ اور آپؐ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اپنی ایک تو آبادی یمن کے گورنر باذان کو حکم نامہ بھیجا کہ فوراً دو طاقتور افراد سرزمین حجاز میں بھیجے جائیں، جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس نئے دین کی دعوت سے روکیں اور اگر وہ اس کام کو نہیں چھوڑتے تو اُن کا سر میرے پاس پیش کرو یا زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو قوی افراد بھیج دیے اور یہ لکھ بھیجا کہ اے محمدؐ آپ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں۔ اگر آپ نے بچنے کی کوشش کی تو یہ نہ صرف آپ کی تباہی کا باعث ہوگا بلکہ آپ کی پوری قوم اور آپ کے ملک کی تباہی کا باعث ہوگا۔ یہ سپاہی باذان کا حکم نامہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے یہاں انہوں نے رسول اللہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جب یہ سپاہی مسجد نبوی میں آپؐ کی مجلس میں پہنچے تو آپ کی عظمت و تقدس سے مرعوب ہو گئے۔ اور خاموشی کے ساتھ حاکم یمن کا حکم نامہ پیش کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا کچھ روز یہاں ٹھہرو، کل پھر مجھ سے ملنا۔ اگلے روز جب یہ سپاہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے تو آپ نے انہیں اطلاع دی کہ فارس کا کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا تخت و سلطنت پر قابض ہو گیا ہے، یہ سپاہی اس خبر پر بہت حیران ہوئے۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے ان سپاہیوں کو بھی دین کی دعوت دی اور اُن سے کہا کہ اب تم جاؤ اور میری طرف سے حاکم یمن کو بھی اسلام کی دعوت پیش کر دینا اور اُسے یہ بھی بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور میری مملکت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے۔ حاکم یمن کے سپاہی رسول اللہ کا یہ پیغام لے کر واپس چلے گئے اور تمام حالات حاکمِ یمن سے بیان کیے۔ جب اُسے اِس واقعہ کی تصدیق ہو گئی کہ واقعی شہنشاہ فارس قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا شیرویہ حکومت پر قابض ہو گیا ہے تو باذان اور اس کے رفقاء کار نے اسلام قبول کر لیا۔[۱] (باقی)

---

[۱] علی بن برہان الدین، حلبی، السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۲۹۱، ۲۹۲ - زرقانی ج ۳ ص ۹۴
ابن سیدالناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۶۳ - الطبری ج ۳ ص ۹۰ - البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۶۸ تا ۲۷۲-